مغرب کی اسلام دشمنی

تحریر : علامہ محمد اسد صاحب (حال متوطن مراکش)

ترجمہ : محمد معین خاں بی۔ اے (عثمانیہ)

صلیبی روح جہاد اب بھی بہت لطیف پیرایہ میں یورپ پر منڈلا رہی ہے۔ عالم اسلام کے ساتھ آج یورپی تہذیب کا جو رویہ ہے۔ اس پر آپکو اس سخت جان روح کی بہت ہی نمایاں علامتیں ملیں گی۔ اس مضمون میں اس معاندانہ رویہ اور اسلام دشمنی کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (ادارہ)

★

مذہبی تضاد و اختلاف کے علاوہ ایک سبب اور بھی ہے جس کے مدنظر مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ مغربی تہذیب کی اتباع و تقلید سے اجتناب کریں۔ وہ سبب یہ ہے کہ اس تہذیب کے تاریخی تجربے اسلام کے خلاف ایک انوکھی خصومت کے گہرے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

یورپ کو اسلام کے ساتھ یہ مخالفانہ رویہ بھی ایک حد تک اپنے اسلاف کے ترکہ میں ملا ہے۔ اہل یونان و روما ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ روئے زمین پر صرف وہی "مہذب" ہیں۔ اور باقی تمام قومیں بالخصوص وہ جو بحیرۂ روم کے مشرق میں آباد تھیں ان پر یہ لوگ ہمیشہ "وحشی" (BARBARIAN) کا لیبل چپکاتے رہے۔ اسی زمانہ سے اہل مغرب کو بھی یہ یقین ہو چلا کہ تمام نوع بشر پر ان کی نسلی برتری ایک حقیقت مسلّمہ ہے۔ تمام اقوام و ملل سے کم و بیش علانیہ نفرت کا اظہار کرنا، مغربی تہذیب کا شعار ہے۔

اسلام کے تعلق سے مغرب کے جذبات و احساسات کی توضیح کے لئے صرف یہی بات کافی نہیں ہے۔ مغرب اگرچہ تمام "غیر" مذہبوں اور ثقافتوں کو یوں ہی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے۔

لیکن اسلام کے معاملہ میں اسکی اس ناپسندیدگی کے دامن مجنونانہ نفرت کی حدوں سے جا ملتے ہیں۔ اسلام کے خلاف مغرب کی نفرت و عداوت کی جڑیں نہ صرف اسکی عقل و ادراک ہی میں پیوست ہیں بلکہ جذبات و احساسات کے گوشہ گوشہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اگرچہ یورپ کے لئے بودھی یا ہندو فلسفہ قابل قبول نہیں ہے تاہم ان فلسفوں کے بارہ میں اس کا ذہنی رویہ ہمیشہ متوازن رہتا ہے۔ لیکن جہاں اسلام پر اسکی نظر پڑی اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا، اور ایک جذباتی تعصب قلب و دماغ پر چھا گیا۔ یورپ کے عظیم المرتبت مستشرقین بجز چند مستثنیات کے تمام کے تمام اپنی ان تحریروں میں جو انہوں نے اسلام پر قلمبند کی ہیں، انتہائی شدید تعصب و عناد میں ملوث نظر آتے ہیں۔ ان کی تحقیقات سے بیشتر یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے ساتھ ایک علمی تحقیقاتی موضوع کا معاملہ نہیں کرتے بلکہ اسے ایک ایسا ملزم سمجھتے ہیں جو حاکم عدالت کے سامنے کھڑا ہو، ان میں بعض تو ایک ایسے وکیل سرکار کا رول ادا کرتے ہیں جو ملزم پر فرد جرم عائد کرانے پر تلا ہوا ہو، اور بعض ایسے قانونی مشیر کا روپ دھارتے ہیں جسے ذاتی طور پر یہ یقین ہو چکا ہو کہ اس کا موکل حقیقت میں جرم کا مرتکب ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے موکل کے حق میں صرف شدت جرم کو خفیف ثابت کرنے کی نیم دلانہ کوشش کر سکتا ہے، اکثر مستشرقین نے اس سلسلہ میں استخراج و استنتاج کی جو تیکنیک اختیار کی ہے وہ ہمیں ان بدنام مذہبی عدالتوں کی کارروائی کی یاد دلاتی ہے جو کیتھولک کلیسا نے قرون وسطیٰ میں اپنے مخالفوں کے لئے قائم کی تھیں۔ یعنی یہ کہ یہ مستشرقین کبھی بھی کھلے دل سے حقائق و واقعات کا کھوج نہیں لگاتے بلکہ ہر مقدمہ میں شہادت اور متعلقہ واقعات سے وقوف حاصل کرنے سے پہلے ہی اپنے تعصب کے زیر اثر ایک نتیجہ قائم کر لیتے ہیں، اور پھر اسی نتیجہ سے اپنی کارروائی کا آغاز کرتے ہیں۔ یہ لوگ شہادت کا انتخاب بھی اپنے اس نتیجہ کے مطابق کرتے ہیں جس پر پہنچنے کا وہ پہلے ہی سے عزم کر لیتے ہیں، اور جہاں من مانے گواہوں کا انتخاب ممکن نہیں ہوتا تو وہ مقدمہ کے سیاق و سباق سے گواہوں کی شہادت کو جدا کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں یا فریق ثانی یعنی مسلمانوں کی جانب سے استغاثہ کی پیش کشی کو کوئی اہمیت دئے بغیر بغض و عداوت کے ایک غیر حکیمانہ جذبہ کے ساتھ اپنے بیانات کی "وضاحت کرنا" شروع کر دیتے ہیں۔

اسلام اور اسلام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کی جو مسخ شدہ تصویر ہمیں یورپ کے مشرقیاتی ادب میں دکھائی دیتی ہے وہ دراصل مستشرقین کے اسی مخاصمانہ طریق کار کا نتیجہ ہے۔ حقائق و واقعات کے توڑ مروڑ کا یہ معاملہ کسی ایک ملک تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ انگلستان، جرمنی،

فرانس، ہالینڈ، اٹلی غرض یورپ کے جس جس ملک میں آپ کو یہ مستشرقین اسلام پر نظرِ کرم فرماتے دکھائی دیں گے وہ سب کے سب اس حمام میں ننگے ہی ننگے نظر آئیں گے۔ اسلام کے خلاف جب کبھی کسی واقعی یا خیالی نقد و احتساب کا موقع ہاتھ آیا، ایک کینہ آمیز مسرت ان مستشرقوں کے دلوں کو گدگدانے لگی۔ یہ مستشرقین کسی طبقۂ متخصصین سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ یہ لوگ تو محض اپنی تہذیب اور اپنے ہی سماجی ماحول کے شارح و ترجمان ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمیں لازمی طور پر یہ نتیجہ اخذ کر لینا چاہیئے کہ یورپ کے سارے ذہن پر کسی نہ کسی سبب سے اسلام دشمنی کا کثیف زنگ چڑھا ہوا ہے۔ ایک سبب تو وہ قدیم نظریہ ہو سکتا ہے، جو ساری دنیا کو یورپی اور غیر یورپی میں منقسم کر دیتا ہے۔ دوسرا سبب جس کا اسلام سے بڑی حد تک براہِ راست تعلق ہے وہ آپ کو اوراقِ ماضی میں بالخصوص قرونِ وسطیٰ کی تاریخ میں ملے گا۔

متحدہ یورپ اور اسلام کے مابین پہلا عظیم تصادم ـــــ صلیبی معرکہ ـــــ اور یورپی تہذیب کا آغاز دونوں ایک ہی زمانہ میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔ یہ زمانہ وہ تھا جبکہ یورپی تہذیب نے جو ہنوز کلیسا کی ہم نوائی، روما کی بربادی کی کئی تاریک صدیوں کے بعد پہلی دفعہ اپنا ایک الگ راستہ ڈھونڈنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا ادب نمو اور ابھار کے ابتدائی مرحلہ سے گذر رہا تھا۔ فنونِ لطیفہ اس گہری نیند سے بیدار ہو رہے تھے جو گاتھوں اور ہنوں کی جنگ جویانہ ترکِ وطنی نے ان پر طاری کر رکھی تھی۔ یورپ کو قرونِ وسطیٰ کے صدرِ اول کی نا مہذب زندگی کے نرغے سے نکلے ہوئے کچھ زیادہ دن گذرنے نہیں پائے تھے۔ وہ ایک نئے ثقافتی شعور سے ابھی ابھی بہرہ ور ہوا تھا جس کی بدولت اسکی قوتِ احساس میں چند در چند اضافہ ہو گیا تھا۔ یہی وہ انتہائی نازک دور تھا، جبکہ عالمِ اسلام کے مقابلہ میں صلیبی معرکے کھڑے کئے گئے تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ صلیبی معرکوں سے پہلے بھی مسلمانوں اور یورپیوں میں لڑائیاں ہوئیں مثلاً عربوں کی فتح اسپین و سسلی، جنوبی فرانس پر عربوں کا حملہ، لیکن یہ لڑائیاں اس وقت ہوئیں جبکہ یورپ اپنے نئے ثقافتی شعور سے ہنوز بہرہ مند نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ان کی نوعیت کم از کم یوروپی نقطۂ نگاہ سے مقامی تنازعات سے کچھ مختلف نہ تھی اور ان کی اہمیت کا اندازہ پورے طور پر نہیں ہو سکا تھا۔ یہ صلیبی معرکے ہی تھے جنہوں نے آنے والی کئی صدیوں کے لئے اسلام کے ساتھ یورپی رویہ کا تعین کیا تھا۔ یہ معرکے قطعی طور پر فیصلہ کن نوعیت کے حامل تھے۔ یہ یورپ کے دورِ طفولیت میں پیش آتے تھے۔ اور یہ ایسا دور تھا کہ یورپ کے مخصوص ثقافتی اوصاف پہلی دفعہ دنیا کو اپنی جھلک دکھلا رہے تھے اور ہنوز اپنے مخصوص سانچوں

میں ڈھلتے جارہے تھے ـــــ افراد کی طرح اقوام کے ذہنوں پر بھی بچپن کے غیر معمولی تاثرات شعوری یا لاشعوری طور پر مدت العمر برقرار رہتے ہیں۔ یہ تاثرات لوحِ ذہن پر کچھ اتنے گہرے نقش ہو جاتے ہیں کہ پختہ عمر کے تجربے بھی جن میں جذبات سے زیادہ سنجیدگی کی کارفرمائی ہوتی ہے، انہیں مشکل ہی سے محو کر سکتے ہیں اور کلی طور پر تو شاذ ہی مٹا سکتے ہیں۔ صلیبی معرکوں کے نقش کردہ تاثرات کا بھی یہی معاملہ تھا۔ ان معرکوں نے یورپ کی عوامی نفسیات پر انتہائی عمیق نقش بٹھائے تھے، انہوں نے اپنے وقتوں میں جوش و ولولہ کا ایسا عالم گیر طوفان بپا کیا تھا کہ یورپ کی گذشتہ تاریخ کا کوئی واقعہ بھی ان سے لگا نہیں کھا سکتا ـــــ مدہوشی و خود فراموشی کا ایک سیلاب تھا جو سارے براعظم پر امڈ آیا تھا۔ انبساط و مسرت کی ایک موج تھی جو کم از کم کچھ عرصہ کے لئے ملک قوم اور فرقہ کی رکاوٹوں کو بھی عبور کر گئی تھی۔ یہ تاریخ کا پہلا موقع تھا کہ یورپ کو اپنے تئیں ایک اتحاد ہونے کا یقین پیدا ہوا تھا ـــــ اور یہ اتحاد عالم اسلام کی مخالفت میں تھا! کسی مبالغہ کے بغیر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جدید یورپ کو صلیبی معرکوں کے ولولوں نے جنم دیا تھا۔ ان معرکوں سے پہلے یورپ رہ گذر تاریخ پر انگلو سکینوں جرمنوں، فرانسیسیوں، فارمنوں، اطالویوں اور ولندیزیوں کے قافلوں کی صورت میں گامزن نظر آتا ہے۔ لیکن صلیبی معرکوں کے زمانہ میں مغربی تہذیب کا ایک نیا تصور تخلیق کیا گیا جو یورپ کی تمام قوتوں کا مشترک تصور تھا اور یہ اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کا جذبہ تھا۔ جو اس نو زائیدہ تصور کی پرورش و پرداخت کر رہا تھا۔

تاریخ کی یہ ایک بہت بڑی ستم ظریفی ہے۔ کہ مغربی دنیا کا اجتماعی تصور ـــــ نظامِ عقل ـــــ پہلی دفعہ ان محرکات کی بدولت حرکت آشنا ہوا ہے، جن کی پشت و پناہی سرتاسر مسیحی کلیسا نے کی تھی۔ درآنحالیکہ مغرب کے بعد کے کارنامے صرف اسی ذہنی بغاوت کی بدولت حیطۂ امکان میں آسکے جو ہر اس چیز کے خلاف بپا کی گئی تھی جس کا کلیسا مؤید و حامی تھا اور اب بھی ہے۔ حالات کا یہ ارتقاء مسیحی کلیسا اور اسلام دونوں کے نقطۂ نظر سے المناک ہے۔ کلیسائی نقطۂ نظر سے اس لئے المناک ہے کہ اس قدر حیرت انگیز آغاز کے بعد وہ یورپی ذہن پر اپنا تسلط باقی نہ رکھ سکا۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے اس لئے المناک ہے کہ صلیبی معرکوں نے مختلف صورتوں میں مختلف طریقوں سے اسلام کو اپنی تباہ کاریوں کا ہدف بنایا۔

ان ناقابلِ بیان سفاکیوں، بربادیوں اور ذلتوں کی خاک سے جو صلیب کے معصوم جانبازوں نے ان اسلامی علاقوں پر گرائی تھی جن پر وہ پہلے قابض ہو گئے تھے۔ اور بعد میں ان سے ہاتھ دھو

لینا پڑا، اس دیرینہ عداوت کے زہریلے بیج نے اپنا سر نکالا جس نے مشرق و مغرب کے تعلقات کو آج تک تلخ بنا رکھا ہے، ورنہ دیکھا جائے تو اس قسم کے جوش و جذبہ کی واقعتاً کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگرچہ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب دونوں اپنی روحانی بنیادوں اور سماجی عزائم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، لیکن یہ یقینی بات ہے کہ دونوں تہذیبیں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری برت سکتی ہیں اور دوستانہ ماحول میں رہ سکتی ہیں۔ اس قسم کا امکان نہ صرف نظری طور پر فراہم کیا گیا ہے بلکہ عملی طور پر بھی مسلمانوں کی جانب سے باہمی رواداری اور احترام کی مخلصانہ خواہش کا اظہار ہمیشہ کیا جاتا رہا ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے شارلیمین کے پاس اپنا سفیر اسی خواہش کے تحت بھجوایا تھا نہ کہ اس خواہش کے تحت کہ فرانکوں کی دوستی سے کوئی مادی فائدہ اٹھایا جائے۔

یورپ اس زمانہ میں تہذیبی اعتبار سے اس قدر پست تھا کہ وہ اس موقع کی کماحقہٗ قدر پہچان نہ سکا۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ یورپ نے اس موقع کو ناپسندیدہ نگاہوں سے بھی نہیں دیکھا۔ مگر اس کے بعد یکایک افق مغرب پر صلیبی معرکوں کا عفریت نمودار ہو گیا، اور اس نے اسلام اور مغرب کے باہمی تعلقات کی بنیادیں اکھیڑ کر رکھ دیں۔ تاریخ عالم میں قوموں کے پاس بیشمار لڑائیاں ہوئیں، اور مرور وقت کے ساتھ یہ لڑائیاں فراموش کر دی گئیں۔ بیشمار عداوتیں بھی معرض وجود میں آئیں، اور یہ عداوتیں دوستی و مودت میں مبدل ہو گئیں۔ لیکن صلیبی معرکوں کی پھیلائی ہوئی غلاظت صرف ہتھیاروں کی جھنکار تک محدود نہیں رہی، ان معرکوں نے سب سے پہلے ذہنوں کو تاکا اور مسیحی کلیسا کے زیر اہتمام اسلامی تعلیمات و عقائد کی عمداً بگاڑی ہوئی تصویروں کو پیش کر کے عالم اسلام کے خلاف یورپ کے قلب و دماغ کے ریشہ ریشہ میں نفرت و تعصب کا زہر دوڑا دیا۔ یہ صلیبی معرکوں ہی کا زمانہ تھا جبکہ یورپ کے ذہن میں یہ مہمل اور بیہودہ تصور داخل ہوا کہ اسلام ایک نفس پرستی اور بہیمانہ تشدد کا مذہب ہے جس میں تزکیۂ باطن کی بجائے صرف ظاہری رسوم کی پابجائی کی جاتی ہے۔ اور اس تصور نے اپنے قدم جما لئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ دیار یورپ میں پہلی دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "مہوند" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

بہرحال اسلام کے خلاف نفرت کا بیج بو دیا گیا۔ صلیبی جذبۂ جہاد کے نتائج بہت جلد یورپ میں کہیں اور نمودار ہو گئے۔ یہ ہسپانیہ کی سرزمین تھی جہاں کے مسیحیوں کو اپنی گردنوں سے "مشرکوں کا جوا" اتار پھینکنے کے لئے اسی جذبہ نے جنگ و پیکار پر ابھارا تھا۔ اگرچہ ہسپانوی مسلمانوں کی تباہی کو اتمام تک پہنچانے کے لئے صدیاں گذر گئیں۔ لیکن اس جنگ کا سلسلہ کچھ

اتنا طویل رہا کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ محض اسی وجہ سے یورپ کے سینے میں اسلام دشمنی کا جذبہ روز بروز شدید اور پائدار ہوتا چلا گیا اور سرزمین ہسپانیہ سے مسلمانوں کے استیصال پر منتج ہوا جو ایسی سفاکانہ اور بہیمانہ تعذیب کے ذریعہ روبہ عمل لایا گیا کہ دنیا نے اس سے پہلے ایسا خونیں ڈرامہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مسیحیوں کی اس فتح پر سارے یورپ میں خوشی کے جشن منائے گئے ــــ اگرچہ اس فتح کا بعد میں یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ قرونِ وسطیٰ کی جہالت و بربریت کے ہاتھوں دنیا کی ایک نہایت ہی شاندار ثقافت ملیامیٹ ہو کر رہ گئی۔

حادثۂ ہسپانیہ کی گونج ابھی پوری طرح ختم نہ ہو پائی تھی کہ ایک تیسرے بڑے اہم حادثہ نے عالمِ اسلام اور مغربی دنیا کے باہمی تعلقات پر ایک شدید ضرب لگائی ــــ یہ ترکوں کی فتح قسطنطنیہ تھی۔ بازنطیم کی لوحِ وجود پر قدیم یونان و روما کے جو چند سحر ناک نقوش باقی رہ گئے تھے ان میں یورپ کے قلب و نظر کے لئے اب بھی تھوڑی بہت کشش موجود تھی۔ بازنطیم "وحشیوں" کے خلاف یورپ کا ایک مضبوط حصار سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مکمل طور پر مسخر ہو جانے کے ساتھ مسلم سیلاب کے لئے یورپ کا دروازہ دفعتاً کھل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آنے والی شعلہ زار صدیوں کے دوران اسلام کے خلاف یورپ کی عداوت نہ صرف ثقافتی اہمیت کا مسئلہ بن گئی بلکہ سیاسی اہمیت کا بھی اور اس صورتِ حال کے باعث یہ عداوت شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی۔

بایں ہمہ یورپ کو صلیبی معرکوں سے بڑا فائدہ پہنچا۔ نشاۃِ ثانیہ یعنی علوم و فنون کا احیاء اور اسلامی بیشتر عربی ماخذوں سے اس احیاء کی وسیع پیمانہ پر خوشہ چینی بڑی حد تک مشرق و مغرب کے باہمی مادی ارتباط کی مرہونِ منت ہے۔ اس مادی ارتباط کی بدولت یورپ ثقافتی میدان میں عالمِ اسلام سے کہیں زیادہ فائدہ میں رہا۔ لیکن اس نے اسلام کے ساتھ اپنی دیرینہ نفرت کی تخفیف کی صورت میں مسلمانوں سے اپنی دائمی ممنونیت کا اظہار آج تک نہیں کیا۔ اس کے برعکس یہ نفرت امتدادِ وقت کے ساتھ بڑھتی اور ایک رواج کی صورت میں پائیدار ہوتی چلی گئی۔ جہاں لفظ "مسلم" کا تذکرہ آیا اور یہ نفرت اس پر اپنا سایہ ڈال گئی۔ یورپ کے عام محاورہ میں نفوذ کر گئی۔ یورپ کے مردوں اور عورتوں کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی۔ سب سے زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ یورپی ثقافت میں کئی تغیرات آئے اور چلے گئے لیکن نفرت اسلام کا جذبہ غیر متغیر ہی رہا۔ اصلاحِ دین کا زمانہ آیا۔ یورپ متعدد مذہبی گروہوں

میں اس طرح منقسم ہو گیا کہ ہر گروہ نے دوسرے گروہ کے خلاف ہتھیار اٹھا لئے۔ ان میں کوئی بھی چیز وجہ اشتراک نہ تھی البتہ ایک نفرت اسلام کا جذبہ ہی ایسا تھا جو ان سب میں ہمیشہ مشترک رہا۔ اس کے بعد ایک اور زمانہ آیا جبکہ یورپ سے مذہبی احساس بتدریج زائل ہوتا چلا گیا، مگر نفرت اسلام کا جذبہ علی حالہ برقرار رہا۔ یہ نہایت ہی عجیب و غریب حقیقت ہے کہ فرانس کا عظیم فلسفی اور شاعر وولٹائر جو مسیحیت اور اس کے کلیسا کا بدترین دشمن تھا، اسے بھی اسلام اور بانیٔ اسلام سے ایسی نفرت تھی جو جنون کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے چند عشروں کے بعد ایک ایسا زمانہ آیا جبکہ علمائے مغرب اجنبی ثقافتوں کا مطالعہ کرنے لگے اور انہیں ہمدردی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن اسلام کے معاملہ میں وہی روایتی نفرت ان کی عالمانہ تحقیق و تفحص میں ایک غیر حکیمانہ تعصب کی صورت میں دبے پاؤں گھس آئی اور ثقافت کی وہ خلیج جو بدقسمتی سے تاریخ نے دنیائے یورپ اور عالم اسلام کے مابین کھودی تھی وہ جوں کی توں باقی رہی۔ اسلام کی توہین و تذلیل یورپی فکر کا جزو لاینفک بن گئی۔ یہ سچ ہے کہ ازمنۂ جدید کے اولین مستشرقین وہ مسیحی مبلغین تھے جو اسلامی ملکوں میں اپنا کاروبار چلا رہے تھے۔ ان لوگوں نے تعلیمات اسلام اور تاریخ اسلام کی جو تصویریں کھینچی ہیں وہ نہایت ہی بدوضع اور بعید از حقیقت ہیں۔ قیاس یہ کیا جاتا ہے، کہ "مشرکوں کے ساتھ یورپیوں کا رویہ انہی تصویروں کے زیر اثر متعین ہوا تھا۔ لیکن لطف کی بات تو یہ ہے کہ یورپ کا یہ ذہنی رویہ اب بھی بدستور قائم ہے۔ حالانکہ عرصہ ہوا کہ مشرقیاتی علوم مسیحی مبلغوں کے اثر و نفوذ سے آزاد ہو چکے ہیں، اور اب کوئی ایسا غلط قسم کا مذہبی انہماک باقی نہیں رہا جسے اس ذہنی رویہ کے حق میں بطور اعتذار پیش کیا جا سکے۔ اسلام کے خلاف ان مستشرقوں کا بے جا تعصب محض ایک رجعت پسندانہ جبلت اور ایک مخصوص جذبہ ہے جو اس تاثر پر مبنی ہے جسے صلیبی معرکوں نے اپنے تمام عواقب کے ساتھ قدیم یورپ کی لوح ذہن پر مرتسم کیا تھا۔

کوئی سائل یہ پوچھ سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ایسا پرانا بغض جو مذہبی بنیاد پر اٹھا ہو اور مسیحی کلیسا کے روحانی تفوق و استیلاء کے سہارے عالم امکان میں آیا ہو، یورپ میں اس وقت بھی اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے جبکہ وہاں احساس مذہبی ایک قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔

اس قبیل کے سوالات اور الجھاوے ایک ماہر نفسیات کے لئے قطعاً باعث حیرت نہیں ہیں۔ کیونکہ ماہر نفسیات بخوبی جانتا ہے کہ ایک شخص اپنے معتقدات مذہبی کو جن کی تعلیم اسے

بچپن میں ملی ہو، یکسر فراموش کرسکتا ہے۔ لیکن ان معتقدات سے مربوط ایک آدھ مخصوص عقیدۂ باطل ایسا بھی ہوتا ہے جو اس شخص کے دل میں کچھ اسطرح پیوست و ممزوج ہوجاتا ہے کہ عقل تمام عمر اس کے خلاف اپنی توضیحات و دلائل پیش کرتی رہ جاتی ہے، اور وہ انہیں قطعاً درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا۔ اسلام کے ساتھ یورپ کا معاملہ بھی ایسا ہی کچھ ہے۔ اسلام کے ساتھ یورپ کے بغض کی تہ میں جو احساس کارفرما تھا وہ اگرچہ مادہ پرستانہ نظریہ حیات کے لئے اپنی جگہ خالی کرگیا لیکن وہ دیرینہ بغض یورپ کی فضائے ذہنی میں ایک تحت شعوری عامل کی صورت میں اب بھی بدستور باقی ہے۔ صلیبی روح جہاد اب بھی --- بہت لطیف پیرایہ میں --- یورپ پر منڈلا رہی ہے۔ عالم اسلام کے ساتھ آج یورپی تہذیب کا جو رویہ ہے، اس پر آپ کو اسی سخت جان روح کی بہت ہی نمایاں علامتیں ملیں گی۔

مسلم حلقوں میں آئے دن یہ بات وثوق کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ ماضی کی شدید معرکہ آرائیوں کی بناء پر اسلام کے خلاف یورپ کے دل میں جو نفرت بیٹھ گئی تھی وہ اس زمانہ میں بتدریج ختم ہوتی جارہی ہے۔ یہ تک دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یورپ کے اسلام کی طرف مائل ہونے کے قرائن و علامات بھی ظاہر ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ اور بہت سے مسلمان تو بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ یقین کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ دن دور نہیں جبکہ سارا یورپ حلقہ بگوش اسلام ہوجائے گا۔ ہم لوگوں کے نزدیک جو اس بات کے قائل ہیں، کہ دنیا میں ایک اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو غیر جانبدارانہ نقد و احتساب کے امتحان میں پورا اتر سکتا ہے، لوگوں کا یہ ایقان غیر معقول نہیں ہے۔ مزید برآں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ دنیا کے سارے لوگ اسلام قبول کرلیں گے۔ جہاں تک مغربی تہذیب کا تعلق ہے اسلام کی تعمیم صرف اس وقت ممکن ہوسکے گی جبکہ ہولناک قسم کے مسلسل سماجی اور ذہنی انقلابات کے ہاتھوں یورپ کی موجودہ ثقافتی خودپسندی کے پرخچے اڑ چکے ہوں گے اور یورپ کی ذہنیت اس حد تک متغیر ہوچکی ہوگی کہ وہ زندگی کی مذہبی تعبیر کو قبول کرنے پر آمادہ و تیار ہوجائیگی۔ آج مغربی دنیا اپنی مادی تحصیلات کی چاہ میں سرتاپا غرق اور اپنے اس اعتقاد میں یکسر کھوئی ہوئی ہے کہ ایک ہی مقصود و مدعا جو ہماری جدوجہد کے لائق اور سعی و کاوش کے قابل ہے وہ آسودگی حیات اور صرف آسودگی حیات ہے۔ مغرب کی مادہ پرستی اور فکر کے مذہبی رجحان کے ساتھ اسکی مخالفت کے بارہ میں بعض رجائیت پسند مسلمان یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں

کی شدت میں روز بروز کمی ہوتی جارہی ہے۔ حالانکہ واقعتاً یہ یوماً فیوماً زور پکڑتی جارہی ہے۔

بعض رجائیوں کا کہنا ہے کہ جدید سائنس فطرت کے مرئی چوکھٹے کے پیچھے ایک غیر تغیر پذیر تخلیقی قوت کے وجود کی قائل ہوتی جارہی ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ صورت حال دنیائے مغرب میں ایک نئے مذہبی شعور کی طلوعِ سحر کی دلیل ہے۔ لیکن یہ تو محض ایک مفروضہ ہے جو یورپی سائنسی فکر کے بارہ میں ان رجائیوں کی غلط فہمی کی غمازی کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی سنجیدہ سائنس دان نہ تو کبھی اس امکان کا انکار کر سکا اور نہ کر سکتا ہے کہ کائنات اپنی اصل و ابتداء کے اعتبار سے کسی نہ کسی واحد حرکت انگیز علت کی رہینِ منت ہے۔ لیکن سوال صرف یہی ہے اور ہمیشہ رہا ہے کہ اس "علت" سے کون کون سے اوصاف منسوب کئے جا سکتے ہیں۔ تمام ماورائی مذاہب یہ دعویٰ کرتے ہیں، کہ یہ علت ایک ایسی قوت ہے جو شعور مطلقہ اور بصیرت مطلقہ کی مالک ہے۔ ایک ایسی قوت جو خالق ہے اور کائنات پر ایک منصوبہ و مقصد کے مطابق حکمرانی کر رہی ہے اور خود ہر قسم کے قانونی تقیدات سے مبرا ہے۔ اس ساری تشریح کو صرف ایک ہی لفظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ "اللہ" ہے۔ لیکن جدید سائنس نہ تو اس تشریح کو ماننے کے لئے تیار ہے اور نہ اس پر مائل۔ وہ اس تخلیقی قوت کے شعور و اختیار ـــــ دوسرے لفظوں میں الوہیت ـــــ کے سوال کو بالکل کھلا چھوڑ دیتی ہے۔ اس بارہ میں سائنس کے رویّہ کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے، اور نہ اسے جاننے کا میرے پاس کوئی سائنسی ذریعہ ہے۔ شاید یہ فلسفہ مستقبل میں وجودیت یا لا ادریت کی سی صورت اختیار کر جائے جس میں روح اور مادہ، مقصد اور وجود، خالق و مخلوق سب ایک ہیں اور ایک ہی سے ہیں۔ یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ اس قسم کا عقیدہ اسلام کے ایجابی تصور باری کی طرف مزید ایک قدم متصور ہو سکتا ہے، کیونکہ اس عقیدہ سے تو یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مادہ پرستی کو خیر باد کہہ دیا گیا ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود مادہ پرستی تعقل کی ایک بلند اور لطیف تر سطح پر صعود کر گئی ہے۔

سچ پوچھو تو یورپ اسلام سے اتنا دور کبھی نہ تھا جتنا کہ وہ آج نظر آرہا ہے، ہو سکتا ہے کہ ہمارے مذہب کے خلاف اسکی عملی عداوت رو بہ تنزل ہو۔ لیکن اسکی وجہ اسلامی تعلیمات کی قدر شناسی نہیں بلکہ اسلامی دنیا کی بڑھتی ہوئی ثقافتی کمزوری اور اس کا انتشار ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ یورپ اسلام سے خوف زدہ رہتا تھا، اور اس خوف نے اسے اسلام

کے رنگ کی ہر شئے کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا، حتیٰ کہ خالص روحانی اور سماجی معاملات بھی اس سلوک سے بری نہ تھے۔ لیکن ایسے وقت جبکہ اسلام یورپ کے سیاسی مفادات کے مخالف عامل کی حیثیت سے اپنی بہت کچھ اہمیت کھو چکا ہے۔ تو قدرتی طور پر یورپ کا خوف بھی کچھ کم ہو گیا اور اس کے ساتھ عداوت اسلام کی وہ پہلے کی سی شدت بھی باقی نہیں رہی۔ اگر ان دونوں کی نمود و فعالیت میں قدرے کمی واقع ہو گئی ہے تو اس سے ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ یورپ باطنی طور پر اسلام سے زیادہ قریب ہو گیا ہے۔ یہ صورت حال تو اسلام کے بارہ میں یورپ کی بڑھتی ہوئی بے التفاتی پر دلالت کرتی ہے۔

مغربی دنیا نے اپنا ذہنی رویہ قطعاً نہیں بدلا۔ یہ رویہ مذہبی تصور حیات کا اب بھی اتنا ہی شدید مخالف ہے جتنا کہ پہلے کبھی تھا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے پاس یہ باور کرنے کا کوئی تسلی بخش ثبوت موجود نہیں ہے کہ یورپ کے رویہ میں مستقبل قریب میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ رہے مغرب میں اسلامی تبلیغی اداروں کی موجودگی اور چند یورپین یا امریکیوں کا قبول اسلام؛ وہ اس بارہ میں قطعاً کوئی حجت و دلیل نہیں ہو سکتے۔ ایسے دور میں جبکہ مادہ پرستی مغربی زندگی کے ہر رہ گذر پر قابض و متصرف ہے، اگر یہاں وہاں چند روحانی تجدید و احیاء کے آرزومند افراد مذہبی تصورات پر مبنی کسی عقیدہ کی تعلیم کو شوق و ذوق سے سن رہے ہوں تو یہ محض ایک امر فطری ہے۔ مغرب میں یہ بات صرف اسلامی تبلیغی اداروں تک محدود نہیں ہے بلکہ وہاں آپ کو مسیحیت کے بیشمار صوفی فرقے ملیں گے جو "تجدید دین" کے رجحانات کے حامل ہیں۔ تھیوسوفی تحریک ملے گی جو کافی طاقتور ہے۔ بودھی عبادت خانے اور تبلیغی ادارے بھی ملیں گے جنہوں نے بہت سے لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا ہے۔ بودھی تبلیغی ادارے بھی انہی دلائل کی بناء پر جو مسلم تبلیغی ادارے پیش کرتے ہیں، یہ دعویٰ کر سکتے ہیں۔ (اور کر رہے ہیں) کہ یورپ بدھ مذہب سے زیادہ قریب ہو گیا ہے۔ چند افراد کے اسلام یا بودھ مت قبول کر لینے سے تو یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ ان میں سے کسی مذہب نے مغربی زندگی پر واقعتاً کوئی نمایاں اثر ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ بلکہ اس بارہ میں یہ کہنے کی جرأت کی جا سکتی ہے کہ یہ ادارے لوگوں کے دلوں میں مذہب کی جو لگن لگا سکے ہیں وہ انتہائی درجۂ اعتدال سے بھی آگے بڑھنے نہیں پائی اور یہ صورت بھی محض اس جذب و کشش کی وجہ سے پیدا ہو سکی جو

کسی ملک کے تخیل پرست ذہنوں کو ایک نئے اور اجنبی مسلک میں نظر آیا کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں چند مستثنیات بھی ہیں۔ اور نو واردانِ مذہب میں چند افراد ایسے بھی ملیں گے جو صداقت کے سچے متلاشی ہیں۔ لیکن کسی تہذیب کے ظاہری رُخ کو بدلنے کے لئے صرف چند مستثنیات سے کام نہیں چل سکتا۔ اس کے برعکس اگر ہم مذہب کے حلقہ بگوش ہونے والوں کی تعداد کا موازنہ ان مغربیوں کی تعداد سے کریں جو روزانہ مارکسیت یا فاسطیت جیسے خالص مادہ پرستانہ سماجی مسلکوں میں انبوہ در انبوہ شامل ہوتے چلے جارہے ہیں، تو ہم جدید مغربی تہذیب کے میلان کا زیادہ صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔

ہوسکتا ہے کہ بڑھتی ہوئی سماجی اور معاشی بے چینی اور پے در پے عالمی جنگیں جن کی وسعتوں اور سائنسی ہولناکیوں سے دنیا اس وقت تک ناواقف ہے۔ مغربی تہذیب کی خود پسندی کو ایک ایسے مہیب و مکروہ راستہ پر ڈالدیں کہ اہل مغرب سبک سر بن کر سنجیدگی کے ساتھ روحانی سچائیوں کی تلاش و جستجو شروع کردیں۔ اس وقت ارضِ مغرب میں اسلام کی کامیاب تبلیغ و اشاعت کے امکانات روشن ہوسکتے ہیں۔ لیکن ایسا انقلاب ہنوز افقِ مستقبل کے عقب میں مستور ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا اسلامی موثرات کے بارہ میں ایسی باتیں کرنا کہ وہ تسخیرِ روحِ یورپ کے جادہ پر چل پڑے ہیں۔ ایک خطرناک قسم کی خود فریبانہ رجائیت ہے۔ اس لئے کہ یہ دل فریب بھی ہے اور سہل بھی اور اس میں ہمیں اس حقیقت سے باز رکھنے کا میلان بھی پایا جاتا ہے کہ ثقافتی اعتبار سے اس دنیا میں ہم مسلمانوں کا کوئی مقام نہیں ہے۔ درآنحالیکہ عالم اسلام میں مغربی موثرات نے بے انتہا قوت حاصل کرلی ہے۔ اور یہ کہ ہم سب تو محو خواب ہیں اور مغربی موثرات ہر جگہ اسلامی معاشرہ کی بنیادوں کو کھوکھلا اور اسے تباہ و برباد کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اسلام کی اشاعت و توسیع کی تمنا کرنا اور بات ہے اور اس تمنا پر جھوٹی امیدوں کے قلعے تعمیر کرنا اور بات ہے۔

ہم تو اقصائے عالم میں نورِ اسلام کے پھیلنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور خود ہمارے قریبی گرد و پیش کا یہ حال ہے کہ نوجوانانِ اسلام ہمارے مقصد اور ہماری امید سے منہ موڑتے چلے جارہے ہیں۔

■■

دیرینہ - پیچیدہ - جسمانی - روحانی امراض کے تمام معالج
جمال شفاخانہ رجسٹرڈ - نوشہرہ